منشیات اور ہمارا معاشرہ

نروان کی تلاش' شروع میں ایک کمزور آواز تھی' جو بعد میں اِک ایسی تحریک میں ڈھل گئی' جس نے دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے بیشتر ممالک' خصوصاً مشرقی ممالک کے نوجوان طبقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس تحریک کا ایجنڈا چرس کے دھوئیں میں جسم وجاں کو پھونکنا اور دنیا سے فرار کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

70ء کی دہائی میں یہ نشہ وبا کی طرح مشرق و مغرب میں پھیل گیا۔ سکولوں' کالجوں اور ہوسٹلوں میں نئی نسل چرس سے بھرے سگریٹوں میں اپنی صلاحیتیں راکھ کی طرح اڑاتی' اپنے مستقبل کو بدبودار دھوئیں سے سیاہ کرتی رہی۔ نشے کو فیشن کے طور پر اپنا کر' اس کے ذریعے روحانی بیماریوں کے علاج جیسی ترغیبوں کی بنیاد پر' نروان کی تلاش کو عالمگیر سطح پر پھیلا دیا' جس نے بے سمت لوگوں کی بے سمتی میں مزید اضافوں کے طور پر یوگیوں اور جوگیوں کو متعارف کروایا' جس کے نتیجے میں بھارت کے علاوہ مغربی ممالک میں بھی بڑے بڑے یوگی سنٹر اور آشرم کھل گئے' جو درحقیقت بھٹکے ہوؤں کے لیے عیاشی کے اڈے اور گناہ کی دلدلیں ثابت ہوئے اور نام نہاد گرو' جوگی اور یوگی اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے نشے کو جائز قرار دے کر' نشے بازوں کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرنے لگے۔ بالکل فرقہ باطنیہ کے حسن بن صباح کی طرح' جو حشیش کے ذریعے فدائین پیدا کر کے انہیں اپنے غلط مقاصد کے لیے استعمال کرتا تھا۔

اس ضمن میں اس کی بنائی ہوئی جنت فردوس بریں بھی بطور ترغیب بہت مددگار ثابت ہوتی تھی۔ یہی فردوس بریں ان بڑے بڑے یوگی سنٹروں اور آشرموں میں نروان کی تلاش میں نکلے ہوؤں کو مہیا کی جاتی تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ یہ نشہ بھی پرانا ہوا اور پھر خوب سے خوب تر کی تلاش نے پوست سے ہیروئن ایجاد کر لی گئی اور ہیروئن نے آتے ہی ہر طرف تباہی مچا دی۔ افغانستان سے نکل کر دنیا بھر میں پھیل جانے والے اس سفید پاؤڈر کی چٹکی سونے سے زیادہ قیمتی ثابت ہونے لگی' جس نے پیسے کی حرص میں بھٹکتے ہوؤں کے ایمان خرید لیے اور ضمیر مردہ کر دیئے۔ اور پھر یہ سفید موت گھر گھر سپردگی سے بانٹی جانے لگی۔ اس سفید موت کے بیوپاریوں کے سوئس بینکوں میں اکاؤنٹ کھلنے لگے' بیرونِ ملک جائیدادیں بننے لگیں اور ان کے لیے قیمتی گاڑیاں امپورٹ ہونے لگیں' راتوں رات امیر بن جانے کے اس "سفید نشے" نے ہر خاص وعام کو متاثر کیا اور یوں 80ء کی دہائی میں ہمارا پورا کلچر ہی تبدیل ہو گیا۔

گو اس کلچر کے پھلنے پھولنے کی اور وجوہات بھی ہیں' مگر سردست بات چونکہ منشیات کے حوالے سے ہو رہی ہے' تو ہم اسی موضوع پر بات آگے بڑھاتے ہیں۔ سفید پاؤڈر کی یہ داستان آج ہمیں دو طویل دہائیوں پر پھیلی نظر آتی ہے' جس کے کردار گھر گھر موجود ہیں' جن کے لیے "ہیروئنچی" اور "جہاز" جیسی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں اور جن کی تعداد اب لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ گھر بار' مال و اسباب' صحت اور مستقبل سب کچھ نشے کی نذر کر دینے کے بعد یہ لوگ معمولی چوری چکاری اور گداگری کے ذریعے رگوں کو وہ زہر فراہم کرتے ہیں' جس کا نام "ہیروئن" ہے۔ جس نے بلاشبہ ہماری معاشرتی بنیادیں کھوکھلی کر دی ہیں اور اخلاقی قدریں تباہ کر دی ہیں۔

جگہ جگہ قائم ہونے والے منشیات فروشی کے اڈے' جنہیں علاقہ پولیس کی حمایت حاصل ہوتی ہے' اپنا دھندہ پھیلانے کے لیے پہلے معصوم لوگوں کو مختلف طریقوں سے نشے کا عادی بناتے ہیں اور جب نشہ ان کی ضرورت بن جاتا ہے' تو پھر اسے منہ مانگے داموں فروخت کرتے ہیں۔

اس طرح اعداد و شمار کے مطابق منشیات کے عادی افراد کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر دل دہل جاتا ہے اور منشیات کا دن منانے' واک کرنے اور اس موضوع پر تقاریر کرنے سے' سوائے ذرا سی ذہنی تسلی کے اور کچھ حاصل ہوتا نظر نہیں آتا۔

منشیات کے بڑھتے ہوئے رجحان کی کئی وجوہات ہیں' جن میں سرفہرست معاشرتی ناہمواری' بیروزگاری' مہنگائی' خاندانی نظام کی ٹوٹ پھوٹ' مذہب سے دُوری' غلط لوگوں کی صحبت' غلط ذرائع سے ملنے والی دولت' مادیت

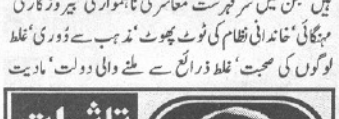

پسندی اور اخلاقی اقدار کی پستی ہے' جس کی بنا پر لوگوں میں بے سمتی' ناامیدی' بے چینی' مایوسی اور ڈپریشن جیسے نفسیاتی مسائل جنم لیتے ہیں اور پھر فراریت پسندی کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور یہ فراریت پسندی منشیات میں پناہ ڈھونڈتی ہے اور منشیات کا عادی اپنے سمیت پورے معاشرے کے لیے مشکل بن جاتا ہے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ معاشرہ کون ہے؟ شاید ہم لوگ! جو ان سے نفرت کرتے اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ذلتوں کے مارے ہوئے یہ لوگ گلیوں' سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر ہمیں نظر آ جائیں' تو ہم ان کی جانب سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ہم ان ذلتوں کے مارے ہوؤں پر اپنا رحم بھی ضائع کرنا پسند نہیں کرتے۔ یہی رویہ سرکار کا بھی ہے' جو انہیں عضو معطل سمجھ کر بھول چکی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قومی بجٹ میں کبھی بھی کوئی ایسی مد دیکھنے میں نہیں آئی' جو منشیات کے خلاف جنگ میں استعمال کی جا سکے' جو ان ذلتوں کے مارے ہوؤں کے علاج معالجے کے لیے مختص ہو۔ اس کوشش کے لیے مختص ہو' جو انہیں دوبارہ جوہر قابل بنانے میں مددگار ثابت ہو سکے' جس کے ذریعے انہیں دواؤں کے علاوہ روحانی' جذباتی اور نفسیاتی علاج بھی میسر ہو' تاکہ یہ روح و جسم کے بیمار شفا پا سکیں۔

گورنر صاحب! صرف منشیات کے خلاف دن منانے' واک اور تقریر کرنے سے کیا حاصل ہو گا؟ آپ کی باعملی کو معلوم ہو گا کہ اس معاملے میں ٹھوس عمل کی کس قدر ضرورت ہے اور اس ٹھوس عمل کا یہ ذلتوں کے مارے لوگ بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔ یہ پستی میں گرے ہوئے لوگ' دوبارہ منصب آدمیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دوبارہ انسان بننا چاہتے ہیں۔ اپنے خاندانوں' کنبوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

یہ ترکِ نشہ کا مہنگا اور وقت طلب علاج افورڈ نہیں کر سکتے۔ مگر یہ کسی وسیم کی طرح نشہ نہ ملنے پر خودسوزی بھی نہیں کرنا چاہتے اور کسی امین کی طرح نشے کے لیے رقم نہ ملنے پر گھر والوں کا گلا بھی نہیں کاٹنا چاہتے۔ یہ مدد چاہتے ہیں۔ سرکاری طور پر ارینج کی ہوئی واک یا تقریر دل پذیر نہیں! کیا آپ اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت ان کے لیے نکالیں گے؟ اور کیا یہ بتائیں گے کہ قومی بجٹ میں ان کی سفارش کون کرے گا؟ انہیں دوبارہ نارمل زندگی میں شامل کرنے کی کوشش کون کرے گا؟ ☆

ایمان بچاؤ مہم!

عورتوں کی تصاویر والے اشتہاری بورڈوں پر سیاہی پھیرنے کی باتیں اب پرانی ہو چکی ہیں کہ اور بہت سے موضوعات آ گئے ہیں' لیکن عورتوں کے چہرے پر سیاہی پھیرنے کی "مہم" ابھی تک زیر بحث ہے۔ آپ ملک سے باہر چلے جائیں یا اندرونِ ملک سفر کریں' آپ کو اس واقعہ پر بحث میں حصہ ضرور لینا پڑے گا۔ اگر آپ گریز بھی کریں تو ایک آدھ سوال کا جواب تلاش کرنے کی دعوت ضرور ملے گی۔ دراصل جب یہ واقعہ ہوا تو اس پر کافی حیرت کا اظہار کیا گیا اور تنقید بھی ہوئی۔ کہا گیا کہ سائن بورڈز کو سیاہ کرنا نہایت ضروری تھا' بہت ضروری! کہ یہ گندی عورتیں' بے حجاب عورتیں' مجسم فحش عورتیں' فتنہ و فساد عورتیں' کالی پیلی' نیلی عورتیں' ہر چوراہے پر سائن بورڈوں میں ڈھٹائی سے کھڑی نظر آتی ہیں۔ ہر شاہراہ پر مجسم اشتہار بنی زمین سے دس دس فٹ اونچی ہو کر "دعوتِ نظارہ" دیتی ہیں۔ سائن بورڈ سیاہ نہ کیے جائیں تو اور کیا کیا جائے؟

ان سے ایمان کے بچاؤ کا ایک سادہ سا نسخہ یہی ہے کہ انہیں سیاہ کر کے دُور دفع کر دو۔ یہ ضروری ہے' بہت ضروری! ایمان بچاؤ مہم کی ابتدا ایسے ہی نیک کام سے ہونی چاہئے تھی۔ سو ہو گئی' جزاک اللہ۔ اس موقع پر عورت ہونے پر ندامت کا احساس دامن گیر ہے اور اپنی بے عملی اور کمزوری' ایمان پر شرمندگی سی ہو رہی ہے۔ ایسی ہی شرمندگی' جیسی حرم شریف کے صحن مبارک میں عورتوں کے لیے مخصوص مختصر جگہ سے بوجہ بھیڑ' دو چار انچ ادھر ادھر کھسک جانے کے "جرم" پر' شرطوں کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی جائے نمازوں کو عورت نامی مخلوق پر برسے دیکھ کر ہوئی تھی یا عورتوں کو بچ' گم' حرام اور خلاص جیسے کلمات سے نوازتے دیکھ کر آہ نکلی تھی اور حسرت سے نظر بیت اللہ شریف کے گرداگرد تمام صحن مبارک میں بچھی ہوئی سرخ قالینوں پر صفیں باندھ کر بے فکری سے عبادات میں مصروف مردوں پر اٹھتی تھی (کاش! اپنی مرضی سے پیدا ہونے کا کوئی اختیار ہوتا)۔ عرقِ ندامت میں گلے گلے ڈوبی مخلوق' جسے عورت کہتے ہیں' دیوانہ وار دُور ہی سے محبوب کے گھر کے پھیرے لیتی تھی اور اس امر پر شکر بجالاتی تھی کہ وہاں بلائی تو گئی۔

شرمندگی والی باتیں تو اور بھی کئی ہیں' جو دوسرے درجے کی مخلوق کے طور پر پیدا ہونے' جلائے جانے' بیچے جانے' خریدے جانے' سجائے جانے اور استعمال کیے جانے کے علاوہ غیرت کے نام پر قتل' قرآن سے شادی' ونے

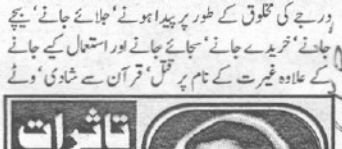

سٹے' ونی اور کاروکاری جیسی معمول بن جانے والی رسومات پر مبنی ہیں۔ پر کیا کریں' کبھی کبھار خود کو انسان سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتی ہیں' ویسے تو عورت کا ایک ہی جرم کافی ہے' آدم کو جنت سے نکلوانے کا۔ بھلا اسے بھلایا جا سکتا ہے؟

حوا زادیوں یعنی ان گناہگار عورتوں کے تعلیم اور شادی سے لے کر وراثت' ملازمت اور دیگر معاملاتِ زندگی تک سماجی امتیازی رویے ان کو گود سے گور تک' ان کی اوقات یاد دلانے میں خوب مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ایم ایم اے والوں نے تو علامتی طور پر انہیں روسیاہ قرار دیا ہے' یعنی ایک طرح سے اس معاملے میں ہاتھ ہلکا ہی رکھا ہے' مگر ہمارے ہاں ایسے جی داروں کی بھی ماشاءاللہ کمی نہیں' جو ان گناہگار عورتوں کو حقیقی طور پر روسیاہ ثابت کرنے کے لیے تیزاب سے مدد حاصل کرتے ہیں اور کامیابی سے دوچار ہو کر' سائن بورڈ سیاہ کرنے کی زحمت سے بچ جاتے ہیں۔

سائن بورڈ سیاہ کرنے کا فیصلہ صائب ہے۔ اس کے بارے میں سوچیں تو دل سے اطمینان کی لہریں اُٹھنے لگتی ہیں' اگر کسی کو یقین نہیں آتا تو وہ پشاور جا کر دیکھ لے۔ جہاں اس وقت سڑکیں تقدس کے ماحول میں گلے گلے تک ڈوبی نظر آتی ہیں۔ جہاں پاکیزگی گلیوں میں سڑ گشت کر رہی ہے۔ جہاں نیکی کا شجر پھل پھول رہا ہے۔ اس فتنے سے آنکھوں کو سراسر محفوظ رکھنے کا بندوبست کر لیا گیا ہے' جسے عورت کہتے ہیں۔

مگر برا ہو برائی کا' ان کالی پیلی گناہگار عورتوں کا' جو پوری بیباکی اور ڈھٹائی سے صوبے کی سرحد پار کرتے ہی پھر سے شر کی شکل میں آن موجود ہوتی ہیں۔ سڑکوں' شاہراہوں اور چوکوں پر لگے سائن بورڈوں میں' الٹے سیدھے پوز بنائے ان عورتوں کو دیکھ کر یہ لگتا ہے کہ ان سے جان چھڑانا کچھ آسان نہیں۔ یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ محض سائن بورڈ سیاہ کرنے سے اس فتنے سے بچاؤ ممکن نہیں۔ اس کے لیے کسی ٹھوس اقدام کی ضرورت ہے اور وہ ٹھوس اقدام کیا ہونے چاہئیں؟ یہ تو نہیں معلوم' مگر اتنا ضرور کہتے ہیں کہ یہ سب ازلی شرمندگیوں سے نچڑتی گناہگار عورتیں' سائن بورڈوں کی روسیاہی کو اپنا حصہ بنائے' اونچے سائن بورڈوں پر مصلوب خود کلامی کرتی ہیں۔

بلھیا کیہ جانا میں کون!

☆